اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المآئدہ:27)

وَ قَالَ تَعَالٰی فِی مَقَامٍ اٰخَر

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:69)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

لفظ قبول کی صرفی ولغوی تحقیق:

لسان العرب میں ہے: اَلْقَبُوْلُ مِنْ قَبْلِ الشَّیْءِ

''قبول یہ ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز کو پسند کر لے۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (الاحقاف:16)

التقبل باب تفعل سے ہے۔

چیز پسند آنے کی عمومی وجہ:

انسان کو جب بھی کوئی چیز اچھی لگے اور پسند آئے تو اس کو حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ عام طور پر پسند آنے کی وجہ صفات ہوتی ہیں۔ جب کوئی چیز صفات والی ہو تو وہ اچھی لگتی ہے۔ صورت اچھی ہو یا سیرت اچھی ہو۔ مثال کے طور پر:

☆ اچھا منظر کہیں بھی ہوگا تو انسان کو اچھا لگے گا۔

☆ اچھا مکان بنا ہوا ہو یا اچھی مسجد بنی ہوئی ہو، تو انسان کا دل اس کی طرف کھنچے گا۔

☆اچھا لباس بھی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔

☆اچھی شخصیت والا انسان ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔

صفات میں کمی کے باوجود چیز پسند آجانا:

اگر صورت اور سیرت دونوں اچھی ہوں تو نورٌ علی نور، لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صفات میں کمی کے باوجود چیز اچھی لگتی ہے۔ مثلاً

☆بعض کھلاڑی اپنے کھیل کے اندر دنیا میں نمایاں مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ لوگ ان کے دیوانے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ان کی شکلیں دیکھنے کے قابل بھی نہیں ہوتی، لیکن لوگ ان کے نمبر کی شرٹیں پہن کے پھر رہے ہوتے ہیں۔

☆قرآن عظیم الشان سے بھی اس کی مثال دی جاسکتی ہے۔ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن کے ایک واقعہ کی وجہ سے گفتگو میں ذرا دشواری ہوتی تھی (انگارہ منہ میں رکھ لیا تھا) اسی لیے دعا مانگی تھی:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ وَ یَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ○ (طٰہٰ:28-25)

تو قرآن مجید سے ثبوت مل رہا ہے کہ ان کے بولنے میں دشواری تھی۔ کجی ہوتی تھی۔ ان کے دل میں بات آئی کہ ہارونؑ بڑے فصیح اللسان ہیں۔ تو قرآن گواہی دے رہا ہے:

هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا (القصص:34)

اب دیکھیے کہ فصیح اللسان ہارونؑ ہیں لیکن اللہ نے اپنے ساتھ ہمکلامی کے لیے کن کو پسند کیا؟ موسیٰؑ کو پسند فرمایا: یہ پسند کرنے والے پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النسآء:164)

☆ کشمیر کے سفر میں بعض ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ انسان کا جی چاہتا ہے کہ کھڑا ہو کر دیکھتا ہی رہے۔ وہاں تصوراتی خوبصورتی دیکھنے کو ملتی ہے۔ وادی نیلم، وادی کاغان، وادی ناران، وادی لیپا، اللہ اکبر! قدرتی خوب صورتی اور حسن کی وہ عجیب جگہ ہے۔

لیکن یہ خوب صورت پہاڑ اپنی جگہ کھڑے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہمکلامی کے لیے کس پہاڑ کو پسند کیا؟ جبل طور کو پسند کیا، جس کے اوپر دیکھنے کو درخت بھی نظر نہیں آتا۔

اپنے حبیب ﷺ کے لیے جبل احد کو پسند کیا۔ اس کے اوپر بھی کہیں درخت نظر نہیں آتا۔ اور اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! اللہ کے حبیب ﷺ جس پہاڑ سے محبت کرتے ہیں وہ احد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے قریب جن پہاڑوں کو پسند کیا ان پر کوئی سبزہ ہی نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا:

بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ (ابرٰھیم:37)

تو سرسبز پہاڑ کھڑے رہ گئے اور اللہ کو جو پہاڑ پسند آ گئے ان پر سبزے کا نام ونشان ہی نہیں۔

☆ ماں باپ کے گھر بیٹی پیدا ہوئی۔ دیکھنے میں اتنی کالی کہ رات کی طرح اور پھر انہوں نے اس کا نام بھی رکھا تو کیا؟ لیلیٰ۔ ''رات کی طرح کالی''۔ لیکن مجنوں صاحب کو پسند آ گئی۔ وہ اس پر مرا جاتا تھا۔

کہتے ہیں: حاکم وقت نے سوچا کہ یہ مجنوں کس کے پیچھے اتنا دیوانہ ہوا پھرتا ہے، ذرا میں دیکھوں تو سہی کہ وہ کون سی حور پری ہے۔ چنانچہ اس نے لیلیٰ کو بلوایا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ حاکم وقت اس کو دیکھ کر کہنے لگا:

از دگر خوباں تو افزوں نیستی

''لیلیٰ! تو دوسری حسیناؤں سے کوئی زیادہ اچھی اور بہتر تو نہیں ہے''

لیلیٰ نے جواب میں کہا:

گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

''جناب! خاموش رہیے، اس لیے کہ آپ کے پاس دیکھنے کے لیے مجنوں کی آنکھ نہیں ہے۔''

☆ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وقت کے امرا تھے۔ بہت ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ گھرانوں کے افراد اس کے اردگرد موجود تھے، مگر اسے ایک ایسا نوجوان پسند آیا جس کا نام ''ایاز'' تھا۔ وہ دیہات کا رہنے والا تھا اور اتنا لکھا پڑھا ہوا بھی نہیں تھا، مگر محمود کی نظر میں بھا گیا۔

☆ ہم نے اپنی زندگی میں دیکھا کہ بہت ہی پڑھی لکھی اور اچھے مالدار گھرانوں کی لڑکیوں کو طلاق ہو جاتی ہے اور غریب گھر کی ان پڑھ لڑکیوں پر ان کے خاوند اس طرح فدا ہوتے ہیں کہ وہ مزے کی زندگی گزارتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ عمومی طور پر تو صفات کی وجہ سے چیز پسند آتی ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ بغیر خوبی کے ہی کوئی پسند آجائے۔

کیا ہمارے اعمال قبولیت کے لائق ہیں؟

اب یہاں ذہن میں ایک بات آتی ہے کہ ہم جتنے بھی اعمال کر رہے ہیں، کیا ہمارے یہ اعمال قبولیت

کے لائق بھی ہیں؟

ابن عطا اسکندری رحمۃ اللہ علیہ اسکندریہ (مصر) میں پیدا ہوئے۔وہ ایک صاحبِ دل انسان تھے۔انہوں جامعۃ الازہر میں پڑھانا شروع کیا.....الازہر یونیورسٹی کو جو پوری دنیا میں شہرت ملی، وہ انہی اساتذہ کی وجہ سے ملی، ان کی حکمت بھری باتوں پر مستقل ایک کتاب ہے۔وہ ان میں ایک بات فرماتے ہیں:

رُبَمَا فُتِحَ لَكَ بَابُ الطَّاعَةِ وَ مَا فُتِحَ لَكَ بَابُ الْقُبُوْلِ

''کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمہارے اوپر عمل کا دروازہ تو کھول دیا جائے لیکن قبولیت کے دروازے کو نہ کھولا جائے۔''

تو انسان اعمال کرتا رہتا ہے لیکن قبولیت نہیں ہوتی۔اس کی مثالیں بھی سن لیجیے۔

☆ شیطان ابلیس نے مردود ہونے سے پہلے اتنی عبادت کی کہ زمین کا کوئی چپہ ایسا نہیں جس پر اس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ہزاروں سال عبادت کی، لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (الاعراف:13) میرے دربار سے نکل جا، تو مردود ہے۔

انجام برا ہوا۔ہزاروں سال کی عبادت کو ٹھوکر ماردی۔

☆ بنی اسرائیل میں بلعم باعور بڑا عبادت گزار تھا۔اس نے تین سو سال تک عبادت کی حتی کہ مستجاب الدعوات بندے کے درجے تک پہنچ گیا۔وہ جو بھی دعا کرتا تھا وہ قبول ہوتی تھی لیکن بالآخر اس نے ایسی غلطی کی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ (الاعراف:176)

اور پھر آگے جو الفاظ ہیں، وہ پڑھتے ہوئے دل کانپتا ہے۔ فرمایا:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف:176)

جب یہ الفاظ پڑھتا ہوں تو فوراً یہ بات ذہن میں آتی ہے:

''اللہ! اس بندے نے تین سو سال تو سجدے کیے تھے نا، ہماری تو زندگی بھی تین سو سال کی نہیں ہے۔''

تو تین سو سال کی عبادت کے باوجود پھٹکار دیا گیا، اللہ فرماتے ہیں:

''اس کی مثال کتے کی مانند ہے''۔ اللہ اکبر کبیراً

اس لیے بزرگوں نے کہا:

لَاعِبْرَةَ بِالطَّاعَةِ اِذَا لَمْ يَصْحَبْهَا قَبُوْل

''اس اطاعت کا کوئی اعتبار نہیں جو قبولیت کے رتبے کو نہ پہنچے۔''

یہ بھی فرمایا:

لَيْسَ كُلُّ طَاعَةٍ سَبِيْلًا مَثُوْبَةِ اللّٰهِ وَ رِضْوَانِهٖ

''ہر طاعت اور نیکی اللہ رب العزت کی رضا کے درجے تک نہیں پہنچ پاتی۔''

اس لیے فکرمند ہونا چاہیے کہ ہمارے اعمال اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو جائیں۔ دل میں اس بات کا خوف رہے کہ کہیں یہ رد نہ کر دیے جائیں۔ اللہ کے حضور یہ فریاد کی جائے:

اے کریم آقا! ہر چہ گیرو علتی علت شود

اعمال تو ہمارے ناقص ہیں۔ ہم بھی ناقص، ہمارے عمل بھی ناقص۔ آپ قبول فرما لیجیے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق:

ہمارے بزرگوں نے ایک عجیب بات کہی ہے۔فرماتے ہیں:

لَوْلَا جَمِيْلُ سَتْرِهٖ لَمْ يَكُنْ عَمَلًا اَهْلًا لِلْقَبُوْلِ

''اگر اللہ رب العزت کی ستاری نہ ہوتی تو بندے کا کوئی عمل قبولیت کے لائق ہی نہ ہوتا۔''

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس کی ایک عجیب تحقیق کی ہے۔وہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

''انسان جتنا بھی اچھے طریقے سے عبادت کر لے، جتنا زور لگا لے، جتنی کوشش کر لے، اس کی عبادت اللہ کی شان کے پردوں سے نیچے رہ جاتی ہے۔اللہ اس سے بھی بلند ہیں۔''

چنانچہ ہم اپنی پوری زندگی میں کبھی اس کے شایان شان عبادت نہیں کر سکتے۔

عبادت کرنے کا حق:

سید الاولین والآخرین امام الدنیا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کی عبادت کتنی خشوع والی ہوتی تھی۔آپ کی عمر مبارک کی بھی اللہ نے قسم کھائی۔آپ کی شان قرآن مجید میں بیان فرمائی لیکن اس کے باوجود اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

''اے اللہ! جیسی تیری عبادت کا حق تھا ہم وہ حق ادا نہیں کر سکتے اور جیسے تیری معرفت حاصل کرنے کا حق تھا ہم وہ معرفت بھی حاصل نہیں کر سکے۔''

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ چالیس سال تک ان کا معمول رہا تہجد پڑھنے کا۔عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔اللہ اکبر کبیراً، پھر حرم کی زیارت کے لیے گئے۔طواف کیا۔مقام

ابراہیم پر دو نفل ادا کیے۔ پھر دو نفل ادا کرنے کے بعد یہ دعا مانگی:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

''اے اللہ! جیسے تیری عبادت کا حق تھا ہم وہ حق ادا نہیں کر سکے۔''

ہم لوگ کس کھیت کی مولی ہیں، ہماری کیا اوقات ہے۔ چنانچہ ہم ایسی عبادت ہرگز نہیں کر سکتے جو اللہ رب العزت کی شان کے مطابق ہو۔ بس میں ہی نہیں۔ اس کی شان اس سے بھی بلند، اس سے بھی بلند، اس سے بھی زیادہ بلند ہے۔ وہ مالک بہت بڑا ہے۔ سوچوں سے بھی بڑا ہے۔ جہاں سوچ کی انتہا ہوتی ہے پروردگار کی شان اس سے بھی بلند ہے۔

شایانِ شان عبادت نہ کرنے پر اجر کیسے؟

یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی شان اتنی بلند ہے کہ ہم اس کی شایان شان عبادت کر ہی نہیں سکتے تو پھر عبادت پر اجر کیسے ملے گا؟

علما نے اس کا جواب دیا ہے۔ اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ آپ اپنے بیٹے کو پہلے دن اسکول چھوڑ کے آئے۔ وہ دوپہر کو واپس آیا۔ کہتا ہے: ابو میں نے گنتی لکھنی سیکھی ہے۔ باپ کہتا ہے: پھر تختی دکھاؤ۔ وہ تختی دکھاتا ہے۔ اس پر جا بجا سیاہی کے دھبے لگے ہوئے ہیں۔ ٹیڑھی میڑھی لکیریں لگی ہوئی ہیں۔ اور جو لکھا ہوا ہے اس کی سمجھ بھی نہیں آتی، مگر آپ بچے کی حوصلہ افزائی کے لیے جیب سے پیسے نکال کر اس کو آئس کریم لے کر دیتے ہیں۔ اب یہ آئس کریم اس کی خوش خطی کا انعام نہیں ہے، بلکہ یہ آپ کی محبت کا اظہار ہے۔

ہمیں جو عبادتوں پر اجر ملتا ہے وہ ہماری عبادت کی اچھائی کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ:143) بے شک اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، رحیم ہے'' وہ دیکھتا ہے کہ یہ کوشش تو کرتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ جیسے بھی عمل ہوتے ہیں وہ قبول فرما لیتے ہیں۔

نجات کا دارومدار رحمتِ الٰہی پر ہے:

پھر یہاں پر بھی طالب علم کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کئی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اعمال کے بدلے جنت ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الزخرف:72)

''اور یہ جنت ہے، اس کا وارث ہم نے اسے بنایا جو تم میں سے اچھے اعمال کرے۔''

ایک جگہ اور بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (النحل:32)

''جنت میں داخل ہو جاؤ، اس لیے کہ تم اچھے اعمال کرتے تھے۔''

اور اگر حدیث مبارکہ پر غور کریں تو حدیث مبارکہ میں ہے:

لَنْ يَّدْخُلَ اَحَدُ نِ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهٖ ''تم میں سے کوئی بھی بندہ اپنے عملوں کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔''

بخاری شریف کی ایک روایت میں بھی ہے۔ جابرؓ راوی ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَا يُدْخِلُ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ''تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا نہ اسے جہنم سے چھڑائے گا اور نہ ہی میں سوائے اللہ کی رحمت کے''

بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَنْ يُّنْجِيَ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهٗ

''تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا''

قَالُوْا: وَلَا اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

''صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بھی؟

قَالَ: وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِغُفْرَانِهٖ

''نبی علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! میں بھی، البتہ اگر اللہ کی مغفرت ڈھانپ لے تو اور بات ہے۔''

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اَنْتَ رَحْمَتِيْ اَرْحَمُ بِكَ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ

''تو میری رحمت ہے، میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا تمہارے ذریعے سے اس پر رحم فرماؤں گا۔''

اب علما نے یہاں اس کی تفصیل لکھی ہے کہ بندہ اپنے عملوں کی وجہ سے جنت میں جائے گا یا نہیں جائے گا۔

حافظ ابنِ رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ عَمَلَ الْاِنْسَانِ لَا يُنْجِيْهِ مِنَ النَّارِ وَ لَا يُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ، اِنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ اِنَّمَا يَحْصِلُ بِمَغْفِرَةِ اللّٰهِ وَ رَحْمَتِهٖ

''بے شک بندے کا عمل نہ جہنم سے نجات دلا سکتا ہے اور نہ جنت میں داخل کروا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رحمت سے ہونا ممکن ہے۔''

علامہ ابنِ جوزیؒ کی تحقیق:

علامہ ابنِ جوزیؒ نے اس کی تحقیق کی۔

☆ وہ فرماتے ہیں:

اِنَّ تَوْفِیْقَ الْعَمَلِ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ لَوْلَا رَحْمَةُ اللّٰهِ السَّابِقَةُ مَا حَصَلَ الْاِیْمَانُ وَ لَا الطَّاعَةُ الَّتِیْ یَحْصِلُ بِهَا النَّجَاةَ

''عمل کی توفیق اللہ کی رحمت سے ہوتی ہے۔ اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتو نہ تو بندہ ایمان قبول کرسکتا ہے اور نہ ہی ایسی عبادت کرسکتا ہے جس سے نجات مل سکے۔''

لہٰذا اگر عملوں پر بھی بندے کو جنت مل جائے تو عمل تو اللہ کی رحمت سے ہو رہا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت سے ہی بندہ جنت میں جائے گا۔

☆ دوسری بات فرماتے ہیں:

اِنَّ مَنَافِعَ الْعَبْدِ لِسَیِّدِهٖ فَعَمَلُهٗ مُسْتَحَقٌّ لِمَوْلَاهُ فَمَهْمَا اَنْعَمَ عَلَیْهِ مِنَ الْجَزَاءِ فَهُوَ مِنْ فَضْلِهٖ

''غلام کا نفع آقا کا نفع ہوتا ہے (کیونکہ وہ اس کا مملوک ہوتا ہے۔ اور مملوک کا ہر فائدہ اس کے مالک کا ہوتا ہے) اس کا ہر کام اس کے آقا کا ہوتا ہے۔ جو بھی مالک اس کے کام کرنے پر کوئی انعام دے دے تو یہ اس کی اجرت نہیں ہوتی، وہ مالک کا احسان ہوتا ہے۔''

بھئی! ہم تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی ملک ہیں۔ اگر ہم عمل کریں بھی سہی تو چونکہ اللہ تعالیٰ کی ملک

ہیں لہٰذا یہ عمل اللہ کے ہوں گے، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ ان اعمال کی بنیاد پر جنت بھی دے دیتے ہیں تو یہ جنت ہمارا حق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ کا فضل ہے۔

☆ پھر ایک تیسری دلیل دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَعْمَالَ الطَّاعَاتِ كَانَتْ فِيْ زَمَنٍ يَسِيْرٍ وَ الثَّوَابَ لَا يَنْفَدُ فَالْاِنْعَامُ الَّذِيْ لَا يَنْفَدُ فِي جَزَاءِ مَا يَنْفَدُ بِالْفَضْلِ لَابِمُقَابِلَةِ الْاَعْمَالِ

محدود وقت میں ہمارے محدود اعمال ہیں لیکن ان پر اگر جنت ملے گی تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ اب محدود عملوں پر لامحدود اجر، یہ عملوں کے بدلے میں تو نہیں ہوسکتا، یہ تو اللہ کی رحمت سے ہی ہو سکتا ہے نا۔

ایک مرفوع حدیث سے تائید:

اس مضمون کی وضاحت ایک حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے جس کو حاکم نے جابرؓ سے روایت کیا۔ یہ مرفوع حدیث جبرائیلؑ سے مروی ہے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کو بتایا:

اِنَّ عَابِدًا عَبَدَ اللّٰهَ عَلٰى رَأْسِ الْجَبَلِ فِيْ الْبَحْرِ خَمْسَ مِأَةَ سَنَةً ثُمَّ سَأَلَ رَبَّهُ اَنْ يَقْبِضَه سَاجِدًا، قَالَ جِبْرَيلُ ؑ فَنَحْنُ نَمُرُّ عَلَيْهِ اِذَا هَبَطْنَا وَ اِذْ عَرَجْنَا۔ وَ نَجِدُ فِي الْعِلْمِ اَنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: اُدْخُلُوْا عَبْدِيْ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِيْ، فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ: يَا رَبِّ بِعَمَلِيْ يُفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثُ مَرَّات ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ الْمَلَائِكَةَ تَائِيسُوا عَبْدِيْ بِنَعْمَتِيْ عَلَيْهِ وَ بِعَمَلِهٖ..... فَيَجِدُوْنَ نِعْمَةَ الْبَصَرِ قَدْ اَحَاطَتْ بِعِبَادَةِ خَمْسَ مِأَة سنة .....وَبَقِيَتْ نِعْمَةُ الْجَسَدِ

لَهٗ فَيَقُوْلُ :اُدْخُلُوا عَبْدِیَ النَّارِ فَيَجُرُّ اِلَى النَّارِ فَيُنَادِیْ بِرَحْمَتِكَ اَدْخِلْنِیَ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِكَ اَدْخِلْنِیَ الْجَنَّةَ۔فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ قَالَ جِبْرِيْلَ: اِنَّمَا الْاَشْيَاءَ بِرَحْمَةِ اللّٰهَ يَا مُحَمَّدﷺ!

''ایک عبادت گزار بندے نے ایک پہاڑ کی چوٹی کے اوپر پانچ سو سال تک عبادت کی۔ پھر اس نے دعا مانگی: اے اللہ! مجھے سجدے میں موت عطا فرما دینا۔ (یہ دعا قبول ہوگئی اور اسے مرنے کے بعد دفن کر دیا گیا)۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا: جب ہم آسمان پر جاتے اور نیچے آتے تو اس کے قریب سے ہم گزرتے ہیں۔ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اس بندے کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور اس کو اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے اس بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو۔ وہ بندہ کہے گا: یا اللہ! میرے عملوں کی وجہ سے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوگا۔ (اللہ فرمائیں گے کہ اسے میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو اور وہ کہے گا: میرے عملوں کی وجہ سے۔ جب وہ تین مرتبہ ایسا کہے گا تو) پھر اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم فرمائیں گے: میرے بندے کے عملوں اور اس پر جو میری نعمتیں تھیں ان کا ذرا حساب چیک کر لو۔ جب چیک کریں گے تو آنکھوں کی بینائی کی نعمت کی قیمت پانچ سو سال کی عبادت پڑ جائے گی۔ جسم کی باقی ساری نعمتیں اس کے علاوہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندے کو جہنم میں داخل کر دو۔ فرشتے اس کو جہنم کی طرف گھسیٹنے لگیں گے۔ وہ چیخے گا، چلائے گا، کہے گا: اللہ! تو اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل کر دے، تو اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل کر دے۔ پھر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اے محمد ﷺ! معاملہ تو اللہ رب العزت کی رحمت کے اوپر موقوف ہے۔''

ماں نے کون سا بیٹا جنا ہے جو یہ کہے کہ میں نعمتوں کا حساب دینے کے قابل ہوں۔ہم تو بھئی! اللہ کی نعمتوں کا حساب نہیں دے سکتے۔تو جب ہم حساب ہی دینے کے قابل نہیں، ناپ تول کے ہی قابل نہیں ہیں تو اگر جنت ملے گی تو وہ اللہ کی رحمت سے ہی ملے گی۔

روایات میں تطبیق:

محترم سامعین! اگر اللہ تعالیٰ ہمارے عملوں کو پکڑنے پہ آجائے تو یقیناً بہت مشکل بن جائے گی۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر:45)

''اور اگر اللہ پکڑنے پہ آجائے جو تم عمل کرتے ہو، تو زمین کی پیٹھ پر کوئی جاندار باقی نہیں بچے گا۔''

یہی مضمون حدیث پاک میں بھی بیان فرمایا گیا، چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَ هُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَّهُمْ وَ لَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ

اب تطبیق کیسے ہوگی؟

علما نے اس کا جواب دیتے ہوئے حدیثِ مبارکہ پیش کی، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

دَخُوْلُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهٖ وَ دَرَجَاتِهٖ بِحَسْبِ الْاَعْمَالِ

''جنت میں داخلہ اللہ کے فضل سے ہوگا اور جنت کے اندر بندوں کے درجے عملوں کے حساب سے ہوں گے۔''

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (الانعام:132)

جب بندہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو اس کے عملوں کے مطابق اس کی الاٹمنٹ کر دی جائے گی۔

قبولیتِ اعمال کی علامات:

دل میں ایک بات آتی ہے کہ جب معاملہ قبولیت پر ہے تو ہمیں کیسے پتہ چلے کہ ہمارے عمل اللہ کے ہاں قبول بھی ہیں یا نہیں؟

علما نے اعمال کی قبولیت کی کچھ علامات لکھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت پا لیتے ہیں۔

(ا) عمل شرع وسنت کے مطابق ہو:

سب سے پہلی علامت:

مُوَافَقَةُ الْعَمَلِ لِمَاجَاءَ بِهِ الشَّرْعُ وَصَحَّتْ بِهِ السُّنَّةُ

''انسان جو بھی عمل کرے، وہ شریعت اور سنت کے مطابق ہو۔''

اس کو کہتے ہیں:

مِيْزَانُ الْاَعْمَالِ فِيْ ظَاهِرِهَا

''ظاہر میں تولنے کی ایک کسوٹی''۔

مثال کے طور پر ایک دن اعمال کرنے کی بڑی کیفیت بنی ہوئی ہے اور صوفی صاحب کہتے ہیں: جی! میں تو آج فجر کی چار رکعت پڑھوں گا، اگر وہ اس طرح کرے گا تو اللہ کے ہاں مردود ہوں گی۔ پڑھا قرآن ہے، پڑھی نماز ہے، کیے سجدے ہیں، مگر لات مار دیں گے اس کو۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کا یہ عمل

شریعت وسنت کے مطابق نہیں ہے۔تو کوئی بھی عمل جو ظاہر میں سنت کے مطابق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرمائیں گے۔اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

''جو ہمارے اس دین کے اندر نئی چیز (بدعات) پیدا کرے، اس کو رد کر دیا جائے گا۔''

اس لیے عمل ہمیشہ شریعت اور سنت کے مطابق ہونا چاہیے۔

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں:

''ہمارے سالک کا سلوک اتباع سنت کے ذریعے سے طے ہوتا ہے۔''

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سنت کے اتباع کے بارے میں فرماتے ہیں:

''دوپہر کے وقت سنت قیلولہ کی نیت سے تھوڑی دیر سو جانے پر وہ اجر ملتا ہے جو ہزاروں سال کی نفلی شب بیداریوں پر نہیں مل سکتا۔''

سبحان اللہ! ان حضرات کے دل میں سنت کی کیا ہی قدر و منزلت تھی۔دیکھیں! ادھر شب بیداری ہے اور ادھر نیند ہے، مگر اس نیند کو چونکہ نبی علیہ السلام کی نیند کے ساتھ ایک نسبت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے ہزاروں نفلی شب بیداریوں سے زیادہ مقام پا لیتی ہے۔

ہمارے اکابرین سے مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔فرمایا کرتے تھے:

''سنت طریقے پر پیشاب پاخانہ کر لینے پر وہ اجر ملتا ہے جو خلافِ سنت طریقے پر نفلیں پڑھنے پر بھی نہیں مل سکتا۔''

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سنت کے اتنے پابند تھے کہ ایک مرتبہ آپ کے دانت میں درد تھا۔آپ

نے ایک سالک سے فرمایا: بھئی! لونگ لے کر آؤ۔ اس زمانے میں لونگ چبا لینے سے درد میں کمی ہو جاتی تھی۔ وہ لونگ لے آیا اور دے دیے۔ جب ان پر حضرت کی نظر پڑی اور گنے تو وہ طاق عدد نہیں تھے۔ حضرت نے فرمایا: صوفی بنے پھرتے ہیں اور ان کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ

اَللّٰہُ وِتْرٌ وَ یُحِبُّ الْوِتْرَ

''اللہ تعالیٰ خود بھی اکیلا ہے اور طاق عدد کو پسند فرماتے ہیں''

فرمایا: جب یہ بات حدیث میں آ گئی ہے تو پھر تم نے اس کی رعایت کیوں نہ کی؟

اب بتائیں یہ لونگ لے کر آنا کتنا چھوٹا سا عمل نظر آتا ہے۔ لیکن اس میں بھی سنت کی اتباع کا اتنا اہتمام فرماتے تھے۔ اللہ اکبر کبیراً

ایک کتاب میں تو عجیب بات پڑھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے:

''جو میرے بس میں سنتیں تھیں، میں نے ان پر عمل کر لیا، ایک سنت کو پورا کرنے کی تمنا تھی۔ وہ کیا؟ سیدنا حسینؓ چھوٹے تھے۔ ان کو نبی علیہ السلام نے اٹھایا ہوا تھا اور آپ ﷺ پر حسینؓ نے پیشاب کر دیا۔ اس سے آقا ﷺ کے کپڑے گیلے ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ اللہ نے بیٹی تو دی ہے مگر نواسہ نہیں ہے، بڑی تمنا تھی کہ میں بھی اسے اٹھاتا اور میرے بھی کپڑے گیلے ہوتے۔ مگر نواسہ نہ ہوا۔ چنانچہ نصیحت فرمائی: اگر میرے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ میری بیٹی کو بیٹا عطا کرے تو اس بچے کو میری قبر پر بٹھا دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ وہاں پر پیشاب کر دے۔''

عبداللہ بن عمرؓ سواری پر سوار ہیں۔ فاصلہ طے ہو رہا ہے۔ سواری کھڑی کر کے نیچے اترتے ہیں۔ ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھتے ہیں۔ پھر اٹھ کر آتے ہیں اور سفر شروع کر دیتے ہیں۔ پوچھنے والے نے

کہا: حضرت! جب قضائے حاجت کی ضرورت نہیں تھی تو پھر رکے کیوں؟ وقت کیوں لگایا؟ جواب میں فرمایا: میں نے اپنے آقا ﷺ کو دیکھا۔ محبوب ﷺ نے یہاں سواری روکی تھی اور یہاں بیٹھ کر فارغ ہوئے تھے۔ اگرچہ مجھے حاجت درپیش نہیں تھی لیکن میرا جی چاہا کہ میں وہی کروں جو میرے آقا ﷺ نے کیا۔

یہ سنت سے محبت، ذرا حضرت حذیفہؓ سے پوچھیے۔ جنہوں نے اہلِ فارس سے کہا تھا:

اَ اَتْرُكُ سُنَّةَ حَبِيْبِيْ لِهٰؤُلَاءِ الْحُمَقَاءِ

ان احمقوں اور روشن خیالوں کی وجہ سے میں اپنے محبوب ﷺ کی سنت کو ترک کردوں۔

تو قبولیت کی پہلی علامت یہ ہے کہ ظاہر میں وہ عمل سنت کے مطابق ہو۔ کھانا بھی حلال کھائے اور عمل بھی طیب کرے، اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا

اس لیے جو انسان رزقِ حلال کا اہتمام کرتا ہے۔ اللہ رب العزت اس کے اعمال کو قبول فرما لیتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے حضرت سعدؓ کو نصیحت فرمائی:

يَا سَعْدُ! اَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ

''اے سعد! اپنے کھانے کو حلال کرلے، اللہ تعالیٰ تجھے مستجاب الدعوات بنادیں گے۔''

آج کل صوفیوں کا پیٹ ٹریشن کین (کچرے کا ڈبہ) بنا ہوا ہے۔ جو بھی گند بلا ہو اسی میں ڈالتے ہیں۔ صوفی کا پیٹ کوئی تیلی کا کولہو تو نہیں ہے نا۔ اس لیے کہ کولہو میں جو چیز ڈالو وہ پیستا ہے۔ اور صوفی کا پیٹ بھی، اس میں جو ڈالو، وہ پیس دیتا ہے۔ حرام حلال کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ بس! لذت حاصل

کرنے کا شوق ہوتا ہے۔جی! مجھے PIZZA کھانے کا شوق ہے۔اور پھر بھاگتے ہیں شہر کی طرف..... میکڈونلڈ کی طرف.....کے ایف سی کی طرف.....یہ باہر سے آئی ہوئی کمپنیاں کیا ڈالتی ہیں؟ اللہ جانے۔حلال پیسے خرچ کر کے حرام کھاتے ہیں۔ہم تو اس کے بارے میں نہیں جانتے۔اللہ جانے کیا ہے؟ تحقیق کس کو ہے؟ ذکر وسلوک سیکھنا ہے تو حلال کا اہتمام کریں۔

(۲)عمل سے مقصود اللہ کی رضا ہو:

قبولیت اعمال کی دوسری علامت:

اِبْتِغَاءُ وَجْهِ اللّٰهِ بِالْعَمَلِ ''عمل سے مقصود اللہ کی رضا ہو''

اس کو کہتے ہیں: مِيْزَانُ الْاَعْمَالِ فِي بَاطِنِهَا ''باطن میں تولنے کی کسوٹی''۔

یہ دیکھنا کہ عمل اللہ کے لیے ہے یا نہیں۔چنانچہ طبرانی شریف کی روایت ہے۔نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَايَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا كَانَ خَالِصًا وَابْتَغٰى بِهٖ وَجْهِهٖ

اس لیے ہم جب بھی عمل کریں تو اللہ کی رضا کے لیے کریں۔اسی لیے امام بخاریؒ نے بخاری شریف کی ابتدا انماالاعمال بالنیات سے کی ہے کہ عملوں کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔

مطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں:

صَلَاحُ الْقَلْبِ بِصَلَاحِ الْعَمَلِ وَصَلَاحُ الْعَمَلِ بِصَلَاحِ النِّيَّةِ

''قلب کی درستی عمل کی درستی سے ہوتی ہے اور عمل کی درستی نیت کی درستی سے ہوتی ہے۔''

(۳) اعمال واحوال میں ترقی محسوس ہو:

اعمال کی قبولیت کی تیسری علامت:

زِيَادَةُ الْاَعْمَالِ وَالتَّرَقِّيْ فِي الْاَحْوَالِ

جب بندے کا عمل اللہ کے ہاں قبول ہوتا ہے تو اس کو پھر اللہ تعالیٰ وجد، لذت، شوق اور ذوق عطا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ احمد بن عجیبہ اپنی کتاب ''اِیْقَاظُ الْھِمَمْ'' میں فرماتے ہیں:

مَنْ وَجَدَ ثَمْرَةَ عَمَلِهٖ عَاجِلًا فَهُوَ دَلِيْلٌ عَلٰى وُجُوْدِ الْقُبُوْلِ اٰجِلًا

''عمل کرتے ہوئے جس بندے کو لذت محسوس ہو جاتی ہے، یہ دلیل ہے کہ بعد میں اللہ نے اس کو قبول بھی کر لینا ہے۔''

مختلف اعمال کو قبول کرنے کی علامتیں مختلف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

فَمِنْ عَلَائِمِ قُبُوْلِ اللّٰهِ لِلصَّلٰوةِ اَنْ يَشْعُرَ الْمُصَلِّيْ فِيْهَا بِلَذَّةِ الْاِقْبَالِ عَلَى اللّٰهِ

''نماز کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کو واقعی محسوس ہو کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں۔''

بسا اوقات نماز میں بندے کی ایسی کیفیت بنتی ہے کہ اور محسوس ہوتا ہے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں۔

فَمِنْ عَلَائِمِ قُبُوْلِ اللّٰهِ الْمَنَاسِكِ الْحَجِّ اَنْ تَقْطَعَهٗ عَنْ مَشَاغِلِ الدُّنْيَا وَ هُمُوْمِهَا

''حج کے مناسک کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ جو بندہ حج پر جاتا ہے تو وہاں جا کر دل دنیا کے مشاغل اور فکروں سے کٹ جاتا ہے۔''

اور اگر پیچھے دل اٹکا رہے، ایک طواف کیا کعبے کا اور دس طواف کیے بازار کے، تو صحیح معنوں میں فائدہ نہیں ہوگا۔ حاجی کو اس بات کا پتہ نہیں ہوتا کہ حرم میں کس کس جگہ پر دعائیں قبول ہوتی ہیں، البتہ گھڑیوں کی قیمت کا پتہ ہوتا ہے کہ کس گھڑی کی کیا قیمت ہے۔ دکانوں کے چکر ہی لگاتے رہتے ہیں۔

فَمِنْ عَلَائِمِ قَبُوْلِ اللّٰهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ اَنْ يَّشْعَرَ اَنَّهٗ مَاثِلٌ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ

''تلاوت قرآن کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والے کی کیفیت ایسی ہو جیسے میں اپنے پروردگار سے ہمکلام ہو رہا ہوں۔''

(۴) اعمال میں ہمیشگی ہو:

قبولیت اعمال کی چوتھی نشانی:

اَلْمُدَاوَمَةُ عَلَى الْعَمَلِ ''عمل پر ہمیشگی اختیار کرنا''

یعنی جو عمل اللہ کے ہاں قبول ہونا ہوتا ہے اللہ اس کے اوپر پھر استقامت کے ساتھ چلنے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں: اللہ اس عمل کو آنے والوں میں جاری فرما دیتے ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے اس بات کو شارٹ کٹ کر کے یوں بیان کیا:

''اے دوست! تیرا ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے لیے مسجد میں آجانا تیری پہلی نماز کی قبولیت کی دلیل ہے۔''

قبول کی ہے تو آنے دیا ہے نا۔ ناراض ہوتے تو آنے ہی نہ دیتے۔ آپ خود دیکھیں کہ بندہ جس سے ناراض ہوتا ہے اس کو اپنے گھر میں آنے سے روک دیتا ہے۔ باپ، بیٹے کو گھر میں آنے سے روک دیتا ہے۔ بھائی، بھائی کو روک دیتا ہے۔ خاوند، بیوی کو روک دیتا ہے۔ اگر اللہ ناراض ہوتے تو اپنے گھر آنے سے روک دیتے۔ اگر آنے دیا ہے تو یہ کس کی دلیل ہے؟ کہ ارادہ خیر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ عطا کرنا چاہتے ہیں۔ دینا چاہتے ہیں۔ اب تو جھولی پھیلانے والے پر منحصر ہے کہ وہ کتنا مانگتا ہے۔

(۵) تقویٰ:

پانچویں چیز جس کی وجہ سے اعمال قبول ہوتے ہیں، وہ ''تقویٰ'' ہے۔انسان جتنا متقی ہوگا اتنے اس کے عمل اللہ کے ہاں شرف قبولیت پائیں گے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المآئدہ:27)

اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں:

☆امام العلماوالصلحا حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقیؒ کا تقویٰ حیران کن تھا۔ حضرت سردی گرمی میں ہاتھ میں چھتری رکھتے تھے۔علما حیران ہوتے تھے کہ گرمیوں میں تو چھتری ہاتھ میں رکھنے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے لیکن سردی کے موسم میں چھتری کی کیا ضرورت ہے ۔چنانچہ ایک عالم نے پوچھ لیا: حضرت! سخت سردی میں بھی آپ ہاتھ میں چھتری رکھتے ہیں۔آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت نے فرمایا: چونکہ آپ عالم ہیں اس لیے آپ کا ذہن صاف کرنا ضروری ہے۔ مجھے اس کی نہ تو گرمیوں میں ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی سردیوں میں، میں اس کو ہاتھ میں اس لیے رکھتا ہوں کہ راستہ چلتے ہوئے اگر دائیں طرف سے عورتیں آرہی ہوتی ہیں تو میں چھتری اس طرف کر لیتا ہوں۔اور بائیں طرف سے آرہی ہوں تو ادھر کر لیتا ہوں۔حتی کہ میں عورتوں کے کپڑے بھی نہیں دیکھتا۔پھر فرمایا: لوگوں کی نظر میں چھتری کا سایہ ہے اور میری نظر میں غیر محرم سے نظر کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔اللہ اکبر کبیراً

جب غیر محرم سے نظر کی اتنی حفاظت کی جائے تو پھر اللہ تعالیٰ بندے کو کیا دیتے ہیں؟ حدیث پاک میں آتا ہے:

''اللہ ایسے بندے کو حلاوتِ ایمان عطا فرما دیتے ہیں۔''

حضرت کی عادتِ شریفہ تھی کہ نماز کی جماعت خود کرواتے تھے۔کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ تکبیر ہو جاتی تھی اور

تھوڑے توقف کے بعد آپ تکبیرِ تحریمہ کہتے تھے۔جیسے پندرہ بیس سیکنڈ یا آدھا منٹ۔حضرت کی جماعت میں اکثر علما ہوتے تھے۔مردان میں ایک عالم نے پوچھا: حضرت! آپ تکبیر ہو جانے کے فوراً بعد نیت نہیں باندھتے اور تھوڑا سا توقف ہو جاتا ہے، کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟ حضرت نے جواب دیا:

''مولانا! آپ تو عالم لوگ ہیں، آپ کی تو کیفیتیں بنی رہتی ہیں، میں فقیر آدمی ہوں، مصلے پر کھڑا ہوتا ہوں، جب تک مجھے سامنے بیت اللہ نظر نہیں آتا، میں تحریمہ نہیں باندھتا۔''

ادھر غیر محرم سے نظر کی حفاظت کی اور ادھر اللہ نے ایسی نماز عطا فرما دی۔مقام احسان والی نماز! جتنا زیادہ تقویٰ ہوگا اتنی زیادہ قبولیت ہوگی۔

☆امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پوری دنیا میں مشہور ہے۔کیوں؟ ان کے تقویٰ کی وجہ سے۔

☆ہمارے اکابر علمائے دیوبند کی محنت اللہ کے ہاں اتنی مقبول ہوئی کہ آج دارالعلوم دیوبند کو پوری دنیا کے اندر شہرت حاصل ہے۔کیوں؟ ان کے تقویٰ کی وجہ سے۔

(۶) دعا:

قبولیت کی چھٹی علامت ''دعا'' ہے۔رونے سے اور مانگنے سے قبولیت مل جاتی ہے۔اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے۔

دیکھیں! عمرانؒ کی اہلیہ امید سے ہیں اور اس حالت میں وہ اللہ سے ایک دعا مانگتی ہیں:

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ (ال عمرن: 35) ''اے اللہ! میرے اس بچے کو، جو ہونے والا ہے، قبول کر لیجیے۔''

اب ماں تڑپ کے دعا مانگ رہی ہے۔ یہ تڑپ تڑپ کے مانگنا اللہ کے ہاں اس قدر پسندیدہ ہے کہ رب کریم فرماتے ہیں:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (الانعام:37)

قبول کرلیا نا، اللہ نے۔

ہم اگر اوپر کی سب علامات کو دیکھیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ سوائے دعا کے ہمارے پلے اور کچھ نہیں ہے۔ بس! ہم دعا مانگیں: اللہ! آپ رحمت کر دیجیے اور آپ ہمارے ان ٹوٹے پھوٹے عملوں کو قبول فرما لیجیے۔

انبیائے کرام کو قبولیت اعمال کی فکر:

انبیائے کرم کو بھی یہ خوف لاحق ہوتا تھا۔

ابتهال الانبياء الى الله بان يرزقهم القبول

انبیا کو بھی یہ خوف دامن گیر رہتا تھا۔ سنیے:

☆ ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ (البقرہ:127) اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل نے میرے گھر کی بنیادوں کو بلند کیا۔

اس وقت انہوں نے کیا کہا؟

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (البقرہ:127) اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ قبول فرما لے۔"

دیکھیں! قبولیت علم کی کتنی فکر دامن گیر تھی۔ دعا مانگتے ہیں:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (ابرٰھیم:40) ''اے پروردگار مجھے اور میری اولاد کو نمازی بنا اور ہماری دعا قبول فرما''

دیکھا! قبولیت کی ہے نا فکر۔

☆ خود نبی ﷺ نے امت کو یہی تعلیم دی کہ ہم قبولیت پر ہی نظر رکھیں۔ چنانچہ کتنی ایسی دعائیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ نے قبولیت مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ مثال کے طور پر:

☆ حدیث پاک میں ہے کہ جب نبی ﷺ جانور ذبح فرمانے لگتے تو پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ

☆ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

رَبِّ اَعِنِّیْ وَ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَ اَجِبْ دَعْوَتِیْ

☆ ایک روایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ حَسَنَاتِیْ

''اے اللہ! میرے نیک عملوں کو قبول فرما''

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام افطار کے وقت دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ

☆ ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَ رِزْقًا طَیِّبًا وَ عَمَلًا مُّتَقَبَّلاً

صحابہ کرامؓ میں عدمِ قبولیت کا خوف:

اب یہ جتنا کچھ ہم نے سنا اس کی ذرا پریکٹیکل شکل صحابہؓ کی زندگیوں میں دیکھیں، یہ وہ جماعت تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی صحبت کے لیے چنا، جو اپنے استاد کے کمالات کا آئینہ تھے۔ کہتے ہیں کہ اگر استاد کے کمالات کو دیکھنا ہو تو اس کے شاگردوں کو دیکھو، نبی کریم ﷺ کے کمالات کو دیکھنا ہو تو صحابہؓ کی زندگیوں کو دیکھ لو۔

علما نے لکھا ہے کہ صحابہؓ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اور نبی علیہ السلام سے پوچھا گیا: انبیا کی تعداد کتنی ہے؟ تو نبی علیہ السلام نے بتایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ جتنے انبیا تھے اتنے ہی صحابہ۔ علما نے اس بات میں ایک راز لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے ہر صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی نہ کسی نبی کے، جو نبوت کے علوم اور برکات تھیں، ان کا وارث بنا دیا۔ اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلصَّحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔''

ان صحابہ میں وہ ہستیاں بھی تھیں جو عشرہ مبشرہ میں سے تھیں۔ ان کا نام لے کر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جنت میں جائیں گے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن مجید میں آچکا ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ (البینہ:8)

اس سب کے باوجود ان کے دل پر یہ خوف طاری رہتا تھا کہ پتہ نہیں موت کے وقت ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اب سنیے مَخَاوِفُ الصَّحَابَۃِ مِنْ عَدَمِ قَبُوْلِ الْاَعْمَال امید ہے کہ آپ توجہ کے ساتھ سنیں گے۔ اس میں ہمارے لیے بہت حکمت کی باتیں ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ:

خلفائے راشدین میں سے سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيلاً

''اگر اپنی امت میں سے میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَهْلَ الجنة ليراؤون اهل علييننگمَا تَرَوْنَ الكَوْكَبَ الدُرِّيَّ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ وَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ مِنْهُمْ وَ اَنْعَمَا

''جنت میں جنتی جائیں گے تو نیچے والے اوپر والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے اس سے بھی اونچے ہیں۔''

ان کو علما نے ہم خانۂ رسول کہا ہے۔ ہم خانۂ رسول کا کیا مطلب؟ کہ جنت میں جو درجہ نبی علیہ السلام کو ملے گا، اسی درجے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچایا جائے گا۔ کیسے؟ جیسے آپ ڈبل سٹوری منزل دیکھتے ہیں، اسی طرح جنت کی اوپر کی منزل میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرمائیں گے اور اسی محل کی نیچے کی منزل میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قیام فرمائیں گے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''میرے بدن مبارک کو بنایا گیا، کچھ مٹی بچ گئی تھی، اس بچی ہوئی مٹی سے اللہ نے ابوبکر کے بدن کو بنایا، پھر جو مٹی بچی تو عمرؓ کا بدن بنا دیا گیا۔''

ایک ہی مٹی تھی، پھر دیکھو! اللہ نے ایک ہی جگہ پر پہنچا دیا۔ مٹی اکھٹی ہوگئی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا، ابوبکر! تیرے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ دے گا۔''

نبی علیہ السلام پر اتنے احسان تو کیے تھے۔ ایسے صحابی!!!

نبی علیہ السلام نے جب تبوک کے مقام پر فرمایا کہ اللہ کے راستے میں لاؤ تو عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے پاس وسعت تھی، میں سے سوچا کہ آج ابوبکر سے میں بڑھ جاؤں گا، چنانچہ میں نے آدھا مال گھر کے لیے چھوڑا اور آدھا مال آگے لے کر گیا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا۔ پوچھا: عمر! کیا لائے ہو؟ عرض کیا: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آدھا پیچھے چھوڑ آیا ہوں اور آدھا لا کر آپ کی خدمت پیش ہوا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ اتنے میں وہ فقیر (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) بھی آ گیا، وہ عاشق رسول بھی آ گیا۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا:

مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ

''ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کے آئے؟''

جواب میں عرض کیا:

اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلَهٗ

''میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کے آیا ہوں''

اللہ اکبر! سارے گھر کا سامان، حتی کہ لباس اتار کر ٹاٹ کا لباس پہن لیا اور اپنا لباس بھی اس سامان میں شامل کر دیا۔ پھر یہیں تک بس نہیں، بلکہ دیوار پر ہاتھ مارا کہ کہیں کوئی سوئی بھی اٹکی ہوئی نہ ہو، میں وہ سوئی بھی اس سامان میں شامل کر دوں۔

جب نبی علیہ السلام کی خدمت میں یہ سامان پیش کیا تو نبی علیہ السلام حیران ہیں کہ سب کچھ دے دیا۔اس وقت جبرئیل علیہ السلام اترتے ہیں۔سلام عرض کیا اور کہا:

''اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! اللہ رب العزت نے ابوبکر کی طرف سلام بھیجے ہیں۔''

نبی علیہ السلام نے دیکھا کہ جبرئیل علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا ہوا ہے۔شیخ الحدیث کہتے ہیں: نبی علیہ السلام نے پوچھا: جبرئیل! آج یہ ٹاٹ کا لباس کیسا؟ عرض کیا:

''اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! اللہ رب العزت ابوبکر کے اس عمل سے اتنا خوش ہیں کہ آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ آج تم بھی ابوبکر جیسا لباس پہنو۔''

پھر اس کے بعد کہا:

''اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: جاؤ! ابوبکر سے پوچھو، کیا اس حال میں تم مجھ سے راضی ہو؟''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے:

''میں اپنے اللہ سے ہر حال میں راضی ہوں۔''

اب ذرا یہ بات دیکھیں کہ وہ صحابی جن کو عرشوں سے سلام آیا کرتے تھے، ان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے:

☆ جب وہ کسی پرندے کو دیکھتے تو فرماتے:

طُوْبٰی لَكَ يَا طَيْرُ مَا اَنْعَمَكَ عَلٰى هٰذِهِ الشَّجَرَةِ تَأْكُلُ مِنْ هٰذِهِ الثَّمَرَةِ ثُمَّ تَمُوْتُ ثُمَّ لَا تَكُوْنُ شَيْئًا لَيْتَنِیْ مَكَانَكَ يَالَيْتَ اَبَا بَكْرٍ مِّثْلَكَ

''اے پرندے! تجھے مبارک ہو، تو اس درخت کے اوپر کتنا اچھا بیٹھا ہوا ہے۔تو درختوں کے پھل کھائے

گا اور پھر فوت ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ تجھے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ کاش! میں تیری جگہ پر ہوتا۔ کاش! ابوبکر تیری مانند ہوتا (کہ اسے بھی تیری طرح حساب نہ دینا پڑتا)۔''

☆ایک مرتبہ فرمایا:

لَيْتَنِيْ شَجَرَةٌ تَعْضُدُ ثُمَّ تُؤْكَلُ

''کاش میں درخت کی طرح ہوتا۔ پھر اس کو کھا لیا جاتا''

☆ایک مرتبہ فرمایا:

لَيْتَنِيْ خَضِرَةٌ تَاْكُلُنِيْ الدَّوَاتُ

''کاش! میں گھاس ہوتا جس کو چرندے چر لیتے۔''

یہ باتیں کرنے کا مقصد کیا تھا؟ اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہونے کا اتنا ڈر تھا۔ اتنا خوف غالب تھا۔ کہتے تھے کہ اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہونا میرے بس کی بات نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ

اللہ اکبر! قسم کھا کر فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اے عمر! تم جس راستے سے گزرتے ہو، شیطان اس راستے کو چھوڑ دیتا ہے۔''

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَّكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ

''جو پہلی امتیں گزری ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کو الہام ہوا کرتا تھا۔ اگر میری امت میں سے کوئی ایک ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔''

اللہ اکبر!

یہی وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے:

اَلَّذِيْ كَانَ رَاْيُهٗ مُوَافِقًا لِّلْوَحْيِ وَالْكِتَابِ

''کتنی مرتبہ اس کی رائے قرآن مجید کے حکم کے عین مطابق ہوتی تھی۔''

جن کو یہ شان ملی وہ فرماتے تھے:

وَ اللّٰهُ لَوْ اَنَّ لِيْ طِلَاءَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهٖ عَذَابَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ

''کاش! پوری زمین کے برابر اگر سونا میرے پاس ہوتا اور میں اللہ کے سامنے پیش ہونے سے پہلے فدیہ کے طور پر اس کو دے سکتا تو میں اسے دے دیتا۔''

☆ کبھی فرماتے:

وَيْلِيْ وَيْلٌ لِّاُمِّيْ اِنْ لَّمْ يَرْحَمْنِيْ رَبِّيْ

''ہلاکت ہے میری، ہلاکت ہے میری ماں کی، اگر اللہ نے قیامت کے دن میرے اوپر رحم نہ کیا۔''

☆ ایک مرتبہ جانوروں کے بھوسے پر نظر پڑی اور فرمانے لگے:

يَالَيْتَنِيْ مِثْلَ هٰذِهِ التِّبْنَةِ

''کاش! میں اس بھوسے کی مانند ہوتا۔''

لَيْتَ أُمِّي لَمْ تَلِدْنِي

کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔''

لَيْتَنِي لَمْ اَكُ شَيْئًا

''کاش! میں کچھ بھی نہ ہوتا۔''

لَيْتَنِي كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا

''کاش! میں کوئی بھولی بسری چیز ہوتا۔''

☆ایک مرتبہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔جب وہ قرآن مجید کی اس آیت پر پہنچے:

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصفت:24)

تو انہوں نے رونا شروع کر دیا۔حتی کے رونے کی آواز جماعت کی آخری صف تک پہنچی۔پھر اس غم کی وجہ سے ایک مہینہ بیمار رہے۔اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ السلام نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

يَا عَائِشَةُ اَلَا اَسْتَحْيِ مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلٰئِكَةُ

''اے عائشہ! کیا میں ایسے بندے سے حیا نہ کروں جس سے ملائکہ بھی حیا کرتے ہیں؟''

پھر ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ عُثْمَانَ رَضِيْتُ عَنْهُ فَارْضَ عَنْهُ

''اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں، اللہ! تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں لسانِ نبوت سے اتنی عظمت بتائی گئی، وہ فرمایا کرتے تھے:

لَوْ وَقَفْتُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَخُيِّرْتُ بَيْنَ اَنْ اَصِيْرَ رَمَادًا اَوْ اُخَيَّرَ اِلٰى اَيِّ الدَّارَيْنِ اَصِيْرُ، لَاخْتَرْتُ اَنْ اَكُوْنَ رَمَادًا

''اگر مجھے قیامت کے دن کھڑا کر کے پوچھا گیا کہ تیرا حساب لیں اور جنت دوزخ بھیجیں یا تجھے ہم مٹی بنا دیں، تو میں اللہ کے حضور اپنی پسند بتا دوں گا، اللہ! میرا حساب نہ لے، مجھے مٹی بنا دے۔''

یہ وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں جن سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے، جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھ کو فرمایا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اور یہ میرا ہاتھ ہے۔

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ :

سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ دمشق کے قاضی تھے اور سید القرا تھے۔ ایک مرتبہ ان کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دوست ہونے کے ناطے نصیحت کی کہ تم اپنے جسم کا خیال رکھا کرو۔ تو نبی علیہ السلام نے تصدیق فرمائی:

يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا مِثْلَ مَا قَالَ لَكَ سَلْمَانُ

''اے ابودردا! جیسے سلمان نے تجھے کہا ہے اسی طرح تمہارے جسم کا بھی تمہارے اوپر حق ہے۔''

وہ فرماتے تھے:

''لَوْلَا ثَلَاثٌ مَا اَحْبَبْتُ الْبَقَاءِ سَاعَةً ظَمَأُ الْهَوَاجِرِ وَالسُّجُوْدُ فِي اللَّيْلِ وَ مَجَالِسَةُ اَقْوَامٍ يَنْتَقُوْنَ جَيِّدَ الْكَلَامِ كَمَا يَنْتَقِيْ اَطَايِبَ الثَّمَرِ''

''اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ گرمیوں میں دوپہر کے وقت روزے کی وجہ سے پیاسا رہنا، رات کو سجدے کرنا اور اللہ والوں کی مجالس میں جانا، جیسے تم اچھے اچھے پھلوں کو چن

لیتے ہو، ایسے ہی لوگ ان کی باتوں کو چن لیا کرتے ہیں۔''

نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَبَا الدَّرْدَاء مِنَ الْعُلَمَاءِ الْفُقَهَاءِ الَّذِيْنَ يَشْفُوْنَ مِنَ الدَّاءِ

''وہ لوگ جن کے پاس بیٹھنے سے روحانی بیماریوں کو شفا ملتی ہے، ابودرداان علما فقہا میں سے ہیں۔''

وہ فرمایا کرتے تھے:

''لَئِنْ اَسْتَيْقِنُ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ تَقَبَّلَ لِیْ صَلَاةً وَّاحِدَةً اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا''

''اگر مجھے اس بات کا پتہ چل جائے کہ اللہ نے میری ایک نماز کو قبول کرلیا ہے تو یہ مجھے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے زیادہ پسندیدہ بات ہوگی۔''

ان حضرات کے اوپر اللہ تعالیٰ کے خوف کا ایسا غلبہ تھا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ:

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو غفار کے تھے۔ یہ قبیلہ مکہ مکرمہ میں لوٹ مار میں بڑا مشہور تھا۔ جو بھی تجارتی قافلہ گزرتا، بنو غفار کے لوگ جا کر اس کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اس قبیلے میں سے جب ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مرتبہ دیا کہ ایک مرتبہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

''ابوذر! تیرے جیسے سچے آدمی آج آسمان کے نیچے بہت تھوڑے ہیں۔''

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى تَوَاضُعِ عِيْسٰى بْنِ مَرْيَمَ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِیْ ذَرٍّ

''تم میں سے اگر کوئی عیسیٰ علیہ السلام کی تواضع کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ ابوذر کو جا کر دیکھ لے۔''

ایک نبی کی تواضع!

اللہ اکبر! وہ ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''وَ اللّٰہِ لَوَدِدْتُ اَنَّ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَنِیْ یَوْمَ خَلَقَنِیْ شَجَرَۃً تَعْضَدُ وَ یُو کَلُ ثَمَرُھَا''

''اللہ کی قسم! میں تمنا کرتا ہوں، کاش! جس دن اللہ نے مجھے پیدا کیا، وہ مجھے ایک درخت کی شکل میں پیدا کرتے اور اس درخت کو جانور کھا لیا کرتے۔''

ایسی باتیں کیوں کرتے تھے؟ اس لیے کہ وہ اللہ رب العزت کی عظمتوں کو جانتے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ:

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امیر جیش تھے۔ سبحان اللہ! دیکھیں، اللہ تعالیٰ بھی کیسے جوڑ ملاتا ہے۔ خلیفہ راشد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی نرم طبیعت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سپہ سالار خالد بن ولید جیسا دے دیا۔ دبنگ آدمی۔ اور پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ دبنگ آدمی آ گئے تو اللہ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جیسا نرم طبیعت کا سپہ سالار عطا فرما دیا۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَمِیْنًا وَ اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ بْنُ الْجَرَاحَ

''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے۔''

جب ایک حدیث پاک پڑھتا ہوں تو جھومنے کو جی چاہتا ہے۔ آہاہا، سبحان اللہ! سبحان اللہ! اللہ کے

پیارے حبیب ﷺ نے کیا عجیب پیاری بات کہی۔فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا لَوْ شِئْتُ لَاَخَذْتُ عَلَيْهِ بَعْضَ خُلُقِهٖ اِلَّا اَبَا عُبَيْدَةَ

''تم میں سے صرف ابوعبیدہ ایسا ہے کہ اس کے بعض اخلاق ایسے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے اندر بھی ہوں۔''

اللہ اکبر کبیرا!

وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''وَدِدْتُ اِنِّیْ كُنْتُ كَبْشًا فَيَذْبَحُنِیْ اَهْلِیْ فَيَاْكُلُوْنَ لَحْمِیْ''

''کاش! میں ایک مینڈھا ہوتا، میرے گھر والے مجھے ذبح کر دیتے اور میرا گوشت کھا لیتے۔''

قیامت کے دن کا معاملہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ہمارے اسلاف قیامت کے دن کے تصور سے رو پڑتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سید المحدثین تھے، سید الحفاظ تھے۔ایک مرتبہ رو رہے تھے، کسی نے پوچھا: بھئی! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا:

اَمَا اِنِّیْ لَا اَبْكِیْ عَلٰی دُنْيَاكُمْ هٰذِهٖ وَ لٰكِنْ اَبْكِیْ لِبُعْدِ سَفَرِیْ وَقِلَّةِ زَادِیْ اَصْبَحْتُ فِیْ صَعُوْدٍ مُهْبِطَةٍ عَلٰی جَنَّةٍ وَّ نَارٍ فَلَا اَدْرِیْ اِلٰی اَيِّهِمَا يُسْلَكُ بِیْ

''میں تمہاری اس دنیا پر نہیں روتا، بلکہ میں روتا ہوں کہ میرا سفر لمبا ہے اور میرا توشہ تھوڑا ہے۔میں ایک گھاٹی کی طرف چڑھ رہا ہوں جو پہنچتی ہے جنت کی طرف یا جہنم کی طرف، اور میں نہیں جانتا کہ مجھے ان

دونوں میں سے کس کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔''

جنت میں اتروں گا یا جہنم میں اتروں گا۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ:

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام نے ''صاحب سرّ'' فرمایا: ایک مرتبہ بیٹھے رو رہے تھے، کسی نے پوچھا: حضرت! کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا:

مَا اَبْکِیْ اَسَفًا عَلَی الدُّنْیَا بَلِ الْمَوْتُ اَحَبُّ اِلَیَّ وَلَاکِنِّ لَا اَدْرِیْ عَلٰی مَا اُقْدِمُ عَلَی الرِّضَا اَمْ عَلٰی سَخَطٍ

''میں دنیا پر افسوس نہیں کر رہا، بلکہ موت مجھے بہت پسندیدہ ہے۔ اور مجھے نہیں معلوم کہ جب میں اللہ کے سامنے پیش ہوں گا تو وہ مجھ سے راضی ہوں گے یا مجھ سے ناراض ہوں گے۔''

حضرت حسنؓ:

نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ، جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ ''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی اس سے محبت فرمایئے۔''

ان کے بارے میں نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ''حسن اور حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں''

وہ فرمایا کرتے تھے:

''اِنِّیْ اُقْدِمُ عَلٰی اَمْرٍ عَظِیْمٍ وَ ھَوْلٍ لَمْ اُقْدَمْ عَلٰی مِثْلِہٖ قَطُّ''

''میں ایک ایسے عظیم امر کی طرف جا رہا ہوں کہ ایسا عظیم معاملہ کبھی کسی کو پیش نہیں آئے گا۔''

حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہؓ:

سالم، ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، انہوں نے ان کو آزاد کر دیا، پھر بیٹا بنا لیا۔ اللہ کی شان دیکھیں! پردے کی آیتیں اتریں تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی علیہ السلام کے پاس آ گئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم نے اس کو بیٹے کی طرح گھر میں پالا ہے۔ اب پردے کی آیتیں اتر گئیں ہیں اور وہ ہمارا نا محرم بن گیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: صرف تمہارے لیے کہہ رہا ہوں کہ تم سالم کو اپنا دودھ پلاؤ۔ وہ بالغ تھے لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تخصیص فرما دی کہ اب بھی اگر سالم دودھ پی لے گا تو تمہارا بیٹا ہے، چنانچہ بیٹا بن گیا۔

وہ اللہ سے محبت کرنے والا نوجوان بنا۔ کیسی محبت تھی ان کے دل میں؟ سید العاشقین، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں حدیث پاک میں فرمایا:

يُحِبُّ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ

''سالم، اپنے دل سے اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرتا ہے۔''

یہ الفاظ نبوت کی زبان سے نکل رہے ہیں..... اللہ اکبر کبیراً..... وہ کیسے نوجوان ہوں گے۔!!! لسانِ نبوت سے گواہی دلوائی جا رہی ہے کہ سالم وہ نوجوان ہے جو اپنے دل سے اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرتا ہے۔

وہ سالم فرماتے تھے:

''وَدِدْتُ اِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَصْحَابِ الْاَعْرَافِ''

''میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھے قیامت کے دن نہ جنت بھیجیں نہ جہنم بھیجیں، بلکہ اعراف میں یعنی برابر سرابر

چھوڑ دیا جائے۔"

اللہ اکبر! جن کے پاس اتنی محبتیں تھیں، عبادتیں تھیں، اللہ کے حبیب ﷺ کی گواہیاں تھیں، وہ بھی اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہونے سے اتنا ڈرتے تھے۔ اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہونا کوئی مذاق ہے؟

کاش! ہمارے دل پر اگر غفلت کے پردے نہ ہوتے تو ہم اس تصور سے بھی کانپ اٹھتے کہ ہمیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہی وجہ سے ہمارے اکابر قرآن کی آیت پڑھتے تھے:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المطففين:6)

یہ آیت پڑھتے ہی بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو نبی علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ جنت میں تم میری بیویوں میں شامل ہوگی۔

ان کے بارے میں علمائے امت نے فرمایا:

أَفْقَهُ نِسَاءِ الْأُمَّةِ عَلَى الْإِطْلَاقِ

"پوری امت کی عورتوں میں سے سب سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والی تھیں۔"

صحابہؓ نے آدھا دین نبی علیہ السلام سے سیکھا اور گھر کے متعلقہ دین انہوں نے ام المومنین سے سیکھا۔

وہ عائشہ صدیقہؓ جن کو اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے پسند کیا۔ جبرئیل علیہ السلام ان کی تصویر لے کر آئے تھے کہ اے میرے محبوب! اللہ نے آپ کی شریکِ حیات کے طور پر ان کو پسند کیا ہے۔

وہ عائشہ صدیقہؓ جن کی پاکدامنی پر اللہ کی طرف سے گواہیاں آئیں۔ یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، بہتان لگتا ہے، بچے سے گواہی دلوائی۔ بی بی مریم اللہ کی ولیہ ہیں، بہتان لگتا ہے، بچے کی زبان سے گواہی دلوائی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی شریک حیات پر جب بہتان لگا تو رب کریم خود گواہی دیتے ہیں۔ دلوں کے بھید جاننے والی ذات فرماتی ہیں:

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (النور:16)

جن کی پاکدامنی کی گواہیاں قرآن دے رہا ہے۔ آج بھی تلاوت ہو رہی ہے نمازوں میں، تراویح میں، ہو عائشہ صدیقہؓ جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

يَا عَائِشُ! هٰذَا جِبْرِيْل يُقْرِءُكِ السَّلَام

یہاں یا عائشہ نہیں کہا گیا، یعنی پورا نام نہیں لیا گیا، بلکہ یا عائش فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کئی مرتبہ منادی میں ترخیم کر لی جاتی ہے۔ آخری حرف کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ محبت کا انداز ہوتا ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''یا عائش! یہ جبرئیل ہیں اور پیغام لے کر آئے ہیں کہ آپ کی طرف اللہ نے سلام بھیجے ہیں۔''

وہی عائشہ صدیقہؓ جن کے بارے میں نبی علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ

''دنیا کی عورتوں پر عائشہ صدیقہؓ کو ایسے فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو باقی سب کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''

وہ عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں:

”فَوَ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اِنِّي كُنْتُ نسْيًا مَنْسِيًّا“

”اللہ کی قسم! میں تمنا کرتی ہوں کہ کاش! میں کوئی بھولی بسری چیز ہوتی (اور ختم ہو چکی ہوتی)۔“

وہ یہ بھی فرمایا کرتی تھیں:

”يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ وَرْقَةً مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ“

”کاش! میں کسی درخت کا پتہ ہوتی۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ:

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ اِبْنِ رَوَاحَةَ اِنَّهُ يُحِبُّ الْمَجَالِسَ الَّتِيْ تَتَبَا هٰى بِهَا الْمَلٰئِكَةُ

”اللہ ابن رواحہ پر رحم فرمائے، یہ ایسی مجالس میں بیٹھنا پسند کرتا ہے جن مجالس پر ملائکہ بھی فخر کرتے ہیں۔“

جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ رونے لگ گئے۔ کسی نے کہا: عبداللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمانے لگے:

وَ اللّٰهُ مَابَكَيْتُ جَزَعًا مِنَ الْمَوْتِ وَ لٰكِنِيْ بَكَيْتُ مِنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، وَلَمْ اَدْرِ اَنْجُوْا مِنْهَا اَمْ لَا

”میں موت کے خوف کی وجہ سے نہیں رو رہا، بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے رو رہا ہوں کہ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم:71) اور میں نہیں جانتا کہ میں نجات پاؤں گا یا نہیں پاؤں گا۔“

حضرت عبداللہ بن عمرؓ:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

رَجُلٌ صَالِحٌ

''عبداللہ صالح آدمی ہے۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

نِعْمَ الرَّجُلُ

''عبداللہ کتنا پیارا بندہ ہے۔''

ان کے بارے میں ایسے تعریفی الفاظ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہیں۔

ان کے بارے میں سعید ابن الحسیب تابعی فرماتے ہیں:

''لَوْ شَهِدْتُ لِاَحَدٍ اَنَّهُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ لَشَهِدْتُ لِابْنِ عُمَرَ''

''اگر میں کسی کے بارے میں گواہی دیتا کہ یہ جنتی ہے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دیتا کہ یہ جنتی ہے۔''

ان کے غلام نافع فرماتے ہیں:

''لَوْ نَظَرْتُ اِلٰی اِبْنِ عُمَرَ اِذَا اِتَّبَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقُلْتُ هٰذَا مَجْنُوْنٌ''

''اگر میں ابن عمر کو دیکھتا کہ وہ اس طرح دیوانہ وار نبی علیہ السلام کی اتباع کرتے تھے تو میں کہتا تھا کہ واقعی وہ مجنون ہیں۔''

وہ سنتِ رسول ﷺ کے عاشق تھے۔

ایک مرتبہ تلاوت کرتے ہوئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس آیت پر پہنچے:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المطففین:6)

یہ سن کر انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ حتی کہ غش کھا کر گر گئے۔ پھر اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر سکے۔

وہ فرمایا کرتے تھے:

لَوْ عَلِمْتُ اِنَّ اللّٰهَ تَقَبَّلَ مِنِّیْ سَجْدَةً وَّاحِدَةً اَوْ صَدَقَةَ دِرْهَمٍ لَمْ يَكُنْ غَائِبٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَوْتِ

''اگر میں جان لیتا کہ اللہ نے میرا ایک سجدہ قبول کر لیا ہے، یا صدقہ کا ایک درہم قبول کر لیا ہے تو مجھے کوئی بھی غائب چیز موت سے زیادہ محبوب نہ ہوتی''

گویا دوسرے الفاظ میں یوں فرماتے تھے:

''اگر مجھے پتہ چل جائے کہ اللہ نے میرا سجدہ قبول کر لیا ہے تو میں کبھی بھی اپنا سر سجدے سے نہیں اٹھاؤں گا۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ:

کئی صحابہ نبی کریم ﷺ سے احادیث سن کر یاد کرتے تھے۔ لیکن عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو سنتے بھی تھے اور لکھتے بھی تھے۔ ان کا ''صحیفہ صادقہ'' آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ کاتب حدیث تھے۔

وہ فرماتے تھے:

وَ اللّٰهِ لِوَدَدْتُ اَنِّی هٰذِهِ السَّارِیَةُ ''میں تمنا کرتا ہوں کہ میں ایک ستون کی مانند ہوتا۔''

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو فرشتے بھی سلام کرتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

یَا لَیْتَنِیْ رَمَادًا تَذْرِیْنِی الرِّیْحُ

''اے کاش! مجھے مٹی بنا دیا جاتا، جسے ہوا اڑا کے لے جاتی۔''

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ:

عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

وَدِدْتُ اِنِّیْ کُنْتُ کَبْشًا لِاَهْلِیْ فَذَبَحُوْنِیْ فَشَوَّوْنِیْ وَ اَکَلُوْا لَحْمِیْ

''کاش! میں اپنے گھر والوں کا ایک مینڈھا ہوتا، ہو مجھے ذبح کرتے، پھر مجھے بھونتے اور میرا گوشت کھا لیتے۔''

حضرت معاذ بن جبلؓ:

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَعْلَمُ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذٌ

ان کو نبی علیہ السلام نے خود بنفس نفیس یمن کی طرف معلم بنا کر بھیجا۔ ان کو اپنی سواری پر بٹھایا۔ خود سواری پہ ساتھ چلے اور پھر راستے میں نبی علیہ السلام نے ان سے ایک بات کہی۔ یہ تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا دل تھا جس نے اس بات کو برداشت کر لیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

یَا مُعَاذُ اِنَّكَ عَسٰی اَنْ لَا تَلْقَانِیْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا

''اے معاذ ممکن ہے کہ اس سال کے بعد ہم ایک دوسرے سے نہ مل سکیں۔''

اور آگے فرمایا:

وَ لَعَلَّكَ لَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ وَ قَبْرِیْ

''تو آئے گا تو میری مسجد کو دیکھے گا اور میری قبر کو دیکھے گا۔''

اللہ اکبر! ایک عاشق رسول ﷺ نے یہ الفاظ سنے ہوں گے تو ان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ چنانچہ

فَبَكٰى مُعَاذٌ جَعْشًا بِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

نبی علیہ السلام نے ان کو فرمایا:

يَا مُعَاذ! اِنِّیْ اُحِبُّكَ فِی اللّٰهِ

''اے معاذ! میں اللہ کے لیے تجھ سے محبت کرتا ہوں۔''

یہ اللہ کے رسول فرما رہے ہیں۔ (ان الفاظ پر حضرت جی دامت برکاتہم آبدیدہ ہو گئے)

وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ قَبْضَتَيْنِ فَجَعَلَ وَاحِدَةً فِی النَّارِ وَاحِدَةً فِی الْجَنَّةِ فَلَا اَدْرِیْ فِی اَیِّ الْقَبْضَتَيْنِ اَكُوْنُ۔

''اللہ تعالیٰ نے دو مٹھیاں بھریں، ایک کو جنت میں اور ایک کو جہنم میں ڈال دیا، مجھے نہیں پتہ کہ میں کس مٹھی میں ہوں گا۔''

مجھے نہیں پتہ کہ میں جنت میں جاؤں گا یا جہنم میں جاؤں گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فقیہ الامت کہا:

كَانَ مِنَ السَّابِقِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ

جو چھٹے نمبر پر ایمان لانے والے ہیں۔

جن کی پتلی پنڈلیوں کو دیکھ کر صحابہ ہنسے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا:

وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَھُمَا اَثْقَلُ فِی الْمِیْزَانِ مِنْ اُحُدٍ

''وہ ذات جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ دونوں پنڈلیاں میزان کے اندر اللہ کے نزدیک احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔''

وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

لَوْ وَقَفْتُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَقِيْلَ لِیْ اِخْتَرْ نُخَيِّرْكَ مِنْ اَيِّهِمَا تَكُوْنُ اَحَبُّ اِلَيْكَ اَوْتَكُوْنُ رَمَادًا لَاَحْبَبْتُ اَنْ اَكُوْنَ رَمَادًا

''اگر مجھے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا گیا اور مجھے اختیار دیا گیا کہ حساب دے کر جنت جاتے ہو یا مٹی بنا دیں تو کہوں گا: اللہ! حساب نہ لے، مجھے مٹی بنا دے۔''

حضرت فضالہ بن عبیدؓ:

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لِاَنَّ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ تَقَبَّلَ مِنِّیْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ، اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا لِاَنَّهٗ تَعَالٰى يَقُوْلُ: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ

''اگر میں جان لوں کہ اللہ نے میرے عملوں میں سے ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل قبول کر لیا ہے

تو یہ مجھے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس سے زیادہ پسند ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کے عملوں کو ہی قبول فرماتے ہیں۔''

اس وجہ سے ہمارے اکابر اعمال بھی کرتے تھے اور ڈرتے بھی تھے۔

پسندیدگی کی دعا:

اب رہ گئی ہماری بات۔ تو بھئی! کوشش کریں کہ ہمارے اندر بھی عدم قبولیت کا خوف پیدا ہو جائے اور ہم اپنا یہ معمول بنالیں کہ ہر نماز کے بعد دعا مانگیں:

''اے اللہ! مجھے ایسا بنا دیجیے کہ میں آپ کو پسند آ جاؤں۔''

یہ دعا تو مانگ سکتے ہیں نا۔ اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھیں گے بنے کیوں نہیں؟ تو اتنا تو کہہ سکیں گے، اللہ! ہم مانگتے تھے کہ تو ہمیں ایسا بنا دے۔ اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے ساتھ یہ دعا مانگیں، اللہ تعالیٰ ایسا بنا دیں گے۔

خاطی و پاپی مایوس نہ ہوں:

یہاں ایک نکتے کی بات سن لیجیے۔ اگر بات ہوتی قابلیت کی، تو ہمارے لیے خطرہ زیادہ تھا۔ ہم پھنس جاتے۔ اس لیے کہ قابلیت تو ہے نہیں۔ بات قابلیت کی نہیں ہے، بات قبولیت کی ہے، جہاں اس بات کو سن کر نیکیوں والے خوش ہوئے ہیں، وہاں خاطی اور پاپی بھی مایوس نہ ہوں، بات قبولیت کی ہے۔ جس کو مالک چاہے قبول کر لے۔ چنانچہ اگر ہم مانگنا شروع کر دیں تو کیا پتہ، کہ اس کی رحمت کی نظر ہم مسکینوں پر بھی پڑھ جائے۔ اس لیے امید ہمارے لیے بھی ہے۔ دروازے بند نہیں ہیں۔ بس! اللہ سے محبت کا اظہار کیجیے۔

تری اک نگاہ کی بات ہے:

کہتے ہیں کہ ایک خاوند اپنی بیوی سے ناراض ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا: تو کیا نکمی سی میرے پلے پڑ گئی۔ نہ شکل ہے، نہ عقل ہے، نہ تعلیم ہے، نہ خاندان ہے، کیا ہے تیرے پاس؟ جب خاوند نے خوب سنائیں تو جواب میں بیوی نے کہا تھا:

نہیں کوئی اوقات اوگن ہار دی جیہو جئی وی ہاں میں ہاں سرکار دی

''مجھ نکمی کی کوئی اوقات نہیں ہے، میں جیسی بھی ہوں، مگر ہوں تو آپ کی ہی''

اے اللہ! ہم بھی کسی کام کے نہیں ہیں، مگر کلمہ پڑھا ہے۔ اللہ! کافروں نے ہمیں اپنا دشمن بنایا اور ہم ان کے دشمن بنے۔ حتی کہ ایمان والے روشن خیالوں نے بھی ایمان والوں کو دشمن سمجھنا شروع کر دیا۔ دنیا سے الگ ہو گئے۔ ہمارے پاس تو کوئی اور در نہیں ہے۔ ''جیہو جئی وی ہاں میں ہاں سرکار دی''۔ اللہ! ہم جیسے بھی ہیں، ہیں تو آپ کے بندے نا۔ آپ کے در پر آئے بیٹھے ہیں۔ آپ کے دین کی نسبت مل رہی ہے، علم کی نسبت مل رہی ہے،

☆ آپ کے دین کی نسبت مل رہی ہے،

☆ علم کی نسبت مل رہی ہے،

☆ قرآن وحدیث کی نسبت مل رہی ہے،

اے اللہ! اگر ہم برے ہیں، جو بھی ہیں، ہیں تو آپ کے۔ اے اللہ! اگر آپ نے بھی دھتکار دیا تو پھر ہمارے پاس تو کوئی دوسرا در نہیں۔ اللہ! آپ ہی رحمت فرما دیجیے۔ آپ ہم پر محبت کی ایک نظر ڈال دیجیے۔ اللہ! ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمارے لیے کوئی دوسرا نہیں در نہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جو آپ کے در سے خالی جاتا ہے، وہی بد بخت ہوا کرتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں شقی نہ بنا دینا۔ اپنے در سے دھتکار نہ دینا۔ اے اللہ! اگر آپ عمل دیکھنے پہ آ جائیں تو ہمارے پاس ندامت کے سو

اکچھ نہیں ۔بس !ہمارے پاس فریاد ہے۔اے اللہ!ہمارے پاس مناجات ہیں اور اتنی بات ہے کہ اللہ!ہم آپ کے ہیں۔اے اللہ! آپ ہمیں قبول فرمالیجیے۔ہم پر رحمت کی نظر ڈال دیجیے۔اے اللہ! آپ کے یہ بندے دور قریب سے چل کر یہاں آئے ۔اے اللہ! آپ ان کا یہاں آنا قبول فرمالیجیے۔ یہ دل میں جو مرادیں لے کر آئے ان کو پورا فرمادیجیے۔میرے مولا!ہمارے دلوں کو ایک مرتبہ محبت کی نظر سے دیکھ لیجیے۔اللہ!صرف ایک مرتبہ اس مجمع کو محبت کی نظر سے دیکھ لیجیے۔

تری اک نگاہ کی بات ہے مری زندگی کا سوال ہے

اے اللہ!اپنی رحمت سے ہماری حاضری کو قبول فرما،ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف فرما اور آئندہ نیکوکاری کی زندگی نصیب فرما۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ